www.rahimia.org

قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہٗ السَّعِید
بانی : حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ : حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

نومبر 2024ء / ربیع الثانی/جمادی الاولیٰ ۱۴۴۶ھ • جلد نمبر 16، شمارہ نمبر 11 • قیمت : 30 روپے • سالانہ ممبرشپ: 350 روپے

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ مسند نشینِ ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

حضرت والاؒ نے فرمایا:

”مَیں نے تو اپنے حضرت (شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ) اور پھر حضرت (مولانا رشید احمد) گنگوہیؒ کی امامت (شریعت، طریقت اور سیاست میں) مان رکھی ہے، البتہ (عملی) سیاسیات میں مولانا (ابوالکلام) آزاد نے بھی ایک راستہ اختیار کیا ہے اور ہمارے حضرات میں سے بعض نے۔ جس طرح (کہ) حضرت شیخ الہندؒ (مولانا محمود حسن) ہیں۔ اس راستے کو پسند کیا ہے۔ یہ سیاسیات کی مد (یعنی ایک عملی باب) ہے، اس (شیخ الہندؒ کے راستے) سے زیادہ مجھے اس مد میں کچھ معلوم نہیں“۔

(۳/ ذی الحجہ ۱۳۶۵ھ/ 29/ اکتوبر 1946ء، بروز: منگل۔ مقام: رائے پور)

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص:190-191، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

مجلس ادارت

سرپرست: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن
صدر: مفتی عبدالمتین نعمانی
مدیر: محمد عباس شاد

ترتیبِ مضامین

- بنی اسرائیل کے مخلصین کو اُصولِ دین کی دعوت
- گناہ کے کام
- حضرت عقبہ بن عامر بن عبس جُھَنی رضی اللہ عنہ
- مذہبی ٹچ، چمک، جبر اور قومی بے شعوری کی آئینہ دار دستوری ترمیم
- علم الاحسان کے فوائد؛ مقامات واَحوال
- سقوطِ بغداد؛ وجوہات واَسباب
- معاشی اعشاریوں میں بہتری
- ایس سی او (SCO) پاکستانی چیپٹر
- موعظتِ حسنہ، حکمت اور غلبۂ دین
- دعوت اِلی اللہ کے بنیادی اُصول
- دعوت کا نبوی منہج اور ذمہ داری قبول کرنے کا اُصول
- نبوی منہجِ دعوت کے علی الرغم فاسد اُسلوب
- حضرت مولانا پروفیسر نورُ الحق علویؒ
- آئینی ترامیم اور ریاستی جواز
- نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم
- دینی مسائل

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org
Email: info@rahimia.org

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ ٹرسٹ لاہور

www.rahimia.org

درسِ قرآن

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

بنی اسرائیل کے مخلصین کو اُصولِ دین کی دعوت

سورت البقرہ کی پہلی آیت سے لے کر آیت نمبر 39 تک واضح کیا گیا تھا کہ انسانیت کی کامیابی کا واحد راستہ لاریب قرآن حکیم کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ انسانیت کو اس کی ضرورت اور حاجت ہے۔ اس لیے کہ قرآن حکیم کا مقصد کل انسانیت کے لیے ایسی خلافت قائم کرنا ہے، جس کے ذریعے سے تمام انسانوں کے مسائل حل ہو جائیں۔ چناں چہ حضرت آدم علیہ السلام کے خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کی حقیقت ان آیات میں بیان کی گئی تھی۔ آیت نمبر 40 سے لے کر آیت نمبر 121 تک بنی اسرائیل کے حوالے سے یہ بات واضح کی گئی کہ وہ تورات پڑھنے کے باوجود اس دور میں کل انسانیت کی رہنمائی کے قابل نہیں ہیں۔ انھیں ایک اعلیٰ ترین کتاب تورات اور اولوالعزم پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کے سچے حواریّین نے اللہ کا پیغام دیا تھا۔ ان پر جو انعامات نازل ہوئے اور انھیں باقی جہان والوں پر فضیلت دی گئی، اس کا تقاضا تھا کہ وہ اس کے مطابق انسانیت کے لیے کام کرتے، لیکن انھوں نے ان انعامات کے ہوتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں پوری نہیں کیں۔ انسانیت کے لیے تو کیا کام کرتے، خود اپنے بنی اسرئیلی لوگوں کو ذاتی اور گروہی مفادات کے تحت آپس میں لڑاتے اور اُن کا خون بہاتے رہے، حتیٰ کہ اپنے انبیا علیہم السلام کو تکلیف دینے اور قتل کرنے سے بھی باز نہ آئے۔

گزشتہ آیات (2-البقرہ:120-121) میں یہ واضح کیا گیا کہ اب وہ اس حد تک مسخ ہو گئے کہ سچے دینِ ابراہیمی پر عمل کرنے کے بجائے ملتِ ابراہیمیہ موسویہ کو انھوں نے مسخ کر کے رکھ دیا۔ اور حالت یہ ہے کہ وہ آج رسول اللہ ﷺ سے اپنے تحریف شدہ ملت کو مانے بغیر راضی نہیں ہوں گے۔ ایسی صورت میں ان کی اتباع نہیں کی جاسکتی، البتہ اُن میں سے جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت، اُس کے پورے حقوق کی ادائیگی اور ذمہ داری کے ساتھ کرتے ہیں، وہ سچے مؤمن ہیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ حضرات کتاب اللہ کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہوئے آپؐ پر ایمان لے آئے۔

آیت 122 سے لے کر 150 تک بنی اسرائیل کے وہ مخلص لوگ جو کتاب اللہ کی تلاوت اُس کے پورے حقوق کے ساتھ کرتے ہیں، انھیں ملتِ ابراہیمیہ حنیفیہ کے بنیادی اَساسی اُصول سمجھائے جا رہے ہیں۔ ابتدا میں سورت البقرہ کی آیت 47 بنی اسرائیل پر انعامات کی اہمیت بتلانے کے لیے دوبارہ آیت 122 کے طور پر دہرائی جا رہی ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (اے بنی اسرائیل! یاد کرو احسان ہمارے، جو ہم نے تم پر کیے، اور اس کو کہ ہم نے تم کو بڑائی دی اہلِ عالَم پر): اس میں بنی اسرائیل کو وہ تمام نعمتیں یاد دلائی گئیں، جو اُن پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے کی تھیں کہ "جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا" یعنی: اُن میں حکمران اور بادشاہ بنائے۔ اس طرح اُن کی حکومت قائم کی اور "وَاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ" (5-المائدہ:20) یعنی: انھیں دُنیوی اور اُخروی طور پر ایسے انعامات سے نوازا کیا اور قومی شان وشوکت عطا کی، جو دوسری اَقوامِ عالَم کو حاصل نہیں تھی۔ ایسی صورت میں انھیں تمام اقوامِ عالَم کے لیے مثالی کردار ادا کرنا اور ملتِ ابراہیمیہ حنیفیہ اور ملتِ موسویہ کی تعلیمات کو دنیا بھر میں انسانیت کی بھلائی کے لیے پھیلانا اُن کی ذمہ داری ہے۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا (اور ڈرو اُس دن سے کہ نہ کام آوے کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی): ملتِ ابراہیمیہ حنیفیہ کی خدا پرست اور انسان دوست تعلیمات کا پہلا بنیادی اَساسی اُصول یہ ہے کہ ہر انسان اپنے کیے دھرے کا خود ذمہ دار ہے۔ اُس کو اپنے اوپر عائد اللہ تعالیٰ کے احکامات کو خوب غور وفکر کر کے ذمہ داری سے ادا کرنا ہے۔ خدا پرستی اور انسان دوستی کے لیے جدوجہد اور کوشش کرنا ہے۔ اللہ کے دین کو شرک، کفر اور تحریف وتلفیق سے بچانا اور انسانیت کی بھلائی کے لیے کردار ادا کرنا ہے۔ دنیا میں ان ذمہ داریوں سے رُوگردانی نہ کرو۔ اُس دن سے ڈرو کہ جب تمھیں خدا کے حضور پیش ہونا ہوگا اور وہ دن ایسا ہے کہ کوئی انسان، کسی دوسرے انسان کے کام نہیں آئے گا۔ ہر ایک کو اپنے اعمال کا حساب وکتاب خود دینا ہوگا۔

بنی اسرائیل کے حکمران طبقوں اور مذہبی اَحبار ورُہبان نے دینِ موسوی میں تحریف کر کے مجرم کو بچانے کے چار طریقے اختیار کیے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ اصل مجرم کو بچا کر کسی دوسرے انسان پر سزا کی حد جاری کر دیتے تھے۔ اس آیت میں کہا جا رہا ہے کہ یہ جو تم نے اپنی بادشاہت کے زمانے میں ایک انسان کے بدلے میں دوسرے انسانوں کو سزا دینے کا ظالمانہ کام اختیار کر رکھا ہے، یہ آخرت میں کوئی فائدہ نہیں دے گا۔

وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ (اور نہ قبول کیا جاوے گا اس کی طرف سے بدلہ): بنی اسرائیل کی مسخ شدہ مذہبیت میں دوسرا طریقہ یہ تھا کہ وہ مجرم، بادشاہ یا مذہبی رہنما کو کوئی مال وغیرہ دے کر جرم کی سزا سے بچ جاتا تھا۔ اس آیت میں کہا جا رہا ہے کہ: قیامت کے دن اللہ کے حضور میں ایسا بھی نہیں ہوسکتا کہ وہاں کوئی مالی تاوان دے کر مجرمین اپنے جرم کی سزا سے بچ جائیں۔ وہاں تو ہر ایک کا معاملہ عدل وانصاف کے ساتھ ہوگا۔

وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ (اور نہ کام آوے اس کو سفارش): مجرم کا سزا سے بچنے کا تیسرا طریقہ یہ تھا کہ کوئی تگڑی سفارش کر کے مجرم سزا سے بچ جائے۔ ظاہر ہے ایسی سفارش حکمرانوں کا کوئی طاقت ور طبقہ یا اثر ورسوخ رکھنے والا مذہبی پروہت ہی کر سکتا تھا۔ اس آیت میں اس کی بھی نفی کی گئی ہے کہ قیامت کے دن اس طرح کا بھی کوئی معاملہ اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں ہو سکے گا۔ وہاں ایسے مجرموں کے لیے کوئی سفارش کرنے والا نہیں ہوگا۔

وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ (اور نہ ان کو مدد پہنچے): کوئی سفارش اور مالی استطاعت نہ ہونے پر کسی مجرم کے بچنے کا چوتھا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ وہ عوامی ہجوم کی نصرت اور مدد سے سزا سے بچ کر اپنی جان چھڑا لے جائے۔ قیامت کے دن ایسا بھی ممکن نہیں۔ وہاں پر کسی میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اللہ کے مقابلے پر ہجوم بنا کر کسی کو بچا سکے۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

گناہ کے کام

عَنْ عَبْدِاللّٰہِ بْنِ مَسْعُودٍؓ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:

"سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَّقِتَالُهُ كُفْرٌ". (صحیح مسلم، حدیث: 221)

(حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مسلمان کو گالی دینا گناہ کا کام ہے اور اس سے لڑائی کرنا اسلام سے انکار کرنا ہے"۔)

"سِباب" کہتے ہیں: گالی دینا، بُرے الفاظ بولنا، جس سے دوسرے کی توہین اور بے عزتی ہو۔ اس عمل کو فسق کہا گیا ہے۔ **"فسق"** کہتے ہیں: شریعت کے احکامات سے انحراف اور گریز کرنا۔ یعنی: دین کو ماننے کے باوجود عملی لحاظ سے غفلت کا شکار ہو جانا اور **قتال** کا معنی: فریقین کا اس طرح لڑنا کہ ہر ایک دوسرے کی جان لینے کے در پے ہوں۔

دونوں اعمال کے نتائج میں فرق ہے۔ پہلا عمل اسلام کو مانتے ہوئے، اس کے احکامات کو نظرانداز کرنا ہے۔ اس سے انسان اسلام کے دائرے میں رہتا ہے، مگر ایک گناہ گار کی حیثیت سے، جب کہ 'قتال' کفر کے مترادف ہے۔ گویا ایسے شخص نے ایمان کے تقاضوں کو پورا کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ امن کا دشمن بن کر سامنے آیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی سیرت کا ایک نمایاں پہلو عملی زندگی میں باوقار طریقہ اپنانا ہے۔ ایسا طریقہ جو دوسرے کے لیے تکلیف کا باعث نہ ہو۔ انسان کے باوقار ہونے کے دو پہلو ہیں: ایک یہ کہ وہ خود ایسے کام نہ کرے، جن سے اس کی عزت متأثر ہو اور دوسرا یہ کہ وہ دوسرے کے ساتھ ایسا طرزِ عمل نہ اپنائے کہ اس کی عزت پامال ہو جائے۔ ایسا طرزِ تکلم جو دوسرے کی بے عزتی کا باعث ہو اور خود اپنے وقار کو بھی متأثر کرے، مؤمن کی شان کے خلاف ہے۔ جو لوگ دوسروں کی عزتوں کو اُچھالتے ہیں، توہین کرتے ہیں اور ان کو دوسروں کے سامنے ذلیل کرنے اور گرانے کی کوشش کرتے ہیں، جس سے ان کا مقام و مرتبہ متأثر ہوتا ہے۔ اس طرزِ عمل کو "فسق" کہا گیا ہے، یعنی: ایسا شخص گویا شریعت کے انسانی تقاضوں کو نظرانداز کر رہا ہے۔ اور اگر یہ رویہ اجتماعی شکل اختیار کر لے تو یہ قومی وجود کے لیے خطرہ بن جاتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارا معاشرہ اس مرض کا شکار ہے۔ اس ضمن میں "سورۂ حجرات" کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ یہ سورت مسلمانوں کے باہمی معاملات اور تعلقات کے سماجی آداب کو بیان کرتی ہے۔

ہمارے معاشرے میں قتال کا مرض بھی بڑھ رہا ہے۔ اس قبیح عمل کے شکار لوگوں میں بے رحمی اور بے حسی بے انتہا ہو چکی ہے۔ اور قانون نافذ کرنے والے ایسی گماشتہ قوتوں کے سامنے بے بس ہیں، بلکہ اکثر اوقات سہولت کاری کا کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے میں مقتول اور مظلوم بالکل بے دست و پا ہو جاتا ہے جو معاشرتی استحکام کے لیے خطرناک علامت ہے۔ اس مرض کا علاج وقت کا اہم تقاضا ہے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت عقبہ بن عامر بن عبس جُھَنی رضی اللہ عنہٗ

حضرت عقبہ بن عامر بن عبس جُھَنی رضی اللہ عنہٗ عالم، فاضل، حافظ، شاعر، خدمت گارِ رسول، سپہ سالار اور مدبرانہ شخصیت کے مالک تھے۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپؓ اپنی بکریاں چرایا کرتے تھے، انھیں چھوڑ کر رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے بیعت کر لیجیے! آپؐ نے فرمایا: "تم کون ہو" تو حضرت عقبہؓ نے اپنی حالت بیان کی کہ میں مدینہ کے نواح کا رہائشی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: "کون سی بیعت تم پسند کرتے ہو؟ بیعتِ اَعرابیہ (صرف ظاہری اسلام کی بیعت)؟ یا بیعتِ ہجرت (حقیقی ایمان و یقین کی بیعت)؟ انھوں نے عرض کی کہ "بیعتِ ہجرت" تو آپؐ نے انھیں بیعت فرما لیا۔ حضرت عقبہؓ نے اصحابِ صفہؓ کے ساتھ مل کر دس سال تک براہِ راست رسول اللہؐ سے تعلیم پائی اور بکریوں کے چرواہے سے جہانبانی تک کا سفر طے کیا۔ آپؓ دورانِ سفر حضورؐ کی سواری کی لگام پکڑ کر چلتے تھے۔

حضورؐ نے آپؓ کو بطورِ خاص سورت "ہود" و "یوسف" کی تعلیم دی۔ آپؓ نہ صرف حافظ و قاریٔ قرآن اور فقیہ تھے، بلکہ خوش گو شاعر اور علم حدیث و علم الفرائض کے ماہر بھی تھے۔ آپؓ نے اپنے قلم سے مکمل قرآن پاک لکھا تھا۔ قرآن پاک پڑھنے میں آپؓ کا لہجہ بہت اچھا اور خوب صورت تھا۔ آپؓ سے 55 احادیث مروی ہیں، جن میں سے 7 حدیثیں بخاری اور مسلم کی متفق علیہ ہیں۔ ایک میں بخاری اور 7 میں مسلم منفرد ہیں۔ آپؓ سے اکابر صحابہؓ بھی طویل مسافت طے کر کے علم حدیث سیکھنے آتے تھے، جیسا کہ حضرت ابوایوب انصاریؓ آپؓ سے ایک حدیث حاصل کرنے مدینہ سے مصر تشریف لائے۔

آپؓ نے رسول اللہؐ کے ہمراہ تمام غزوات اور قومی و اجتماعی سرگرمیوں میں بھرپور کردار ادا کیا۔ خلافتِ راشدہ کے دور کے اہم ترین معرکوں میں بھی صفِ اول میں شریک رہے۔ دورِ صدیقی میں ارتداد کے فتنے کے استیصال میں بھرپور حصہ لیا۔ شام کی فتوحات اور اس کے معرکوں میں شامل ہوئے۔ رومیوں کے خلاف متعدد لڑائیاں لڑیں۔ دمشق کی فتح کے بعد سالارِ لشکر حضرت ابوعبیدہؓ کے حکم سے فتح کی خبر حضرت عمرؓ تک پہنچائی۔ حضرت عثمانؓ کے دور میں رومیوں کے خلاف جنگوں میں حصہ لیا۔ جنگ صفین میں شامل ہوئے اور حضرت امیر معاویہؓ کے طرف داروں میں سے تھے۔

حضرت عقبہؓ معاشی طور پر انتہائی فارغ البال ہونے کے باوجود سادہ زندگی بسر کرتے اور اپنے کام خود کرتے۔ آپؓ بلند اخلاق کے مالک تھے۔ عیب پوشی آپؓ کا شیوہ تھا۔ آپؓ سیاہ خضاب لگاتے تھے اور ساتھ ہی فرماتے کہ: "بالوں کے اوپر کو ہم رنگ دیتے ہیں اور ان کی جڑیں بدلنے سے انکاری ہیں"۔ حضرت عقبہؓ مصر کے امیر الخراج اور امامِ نماز مقرر ہوئے۔ والیِ مصر بھی بنے اور وہیں سکونت اختیار کی اور خلافتِ معاویہ رضی اللہ عنہٗ کے آخر میں مصر میں ہی 58 ہجری میں وفات پائی۔ (الفاروق، اُسد الغابہ، الاصابہ، تاریخ ابن کثیر)

www.rahimia.org

مذہبی ٹچ، چمک، جبر اور
قومی بے شعوری کی آئینہ دار دستوری ترمیم

پاکستان ایک بار پھر ایک اَور آئینی بحران کے دہانے پر کھڑا ہے۔ اتحادی حکومت — جس پر فروری 2024ء کے انتخابات میں کھلی دھاندلی کے ذریعے اقتدار میں آنے کے سنگین الزامات ہیں — نے آئین میں بڑی تبدیلیاں کرنے کے لیے ایک مہم کا آغاز کیا، جسے کئی ہفتوں کی قیاس آرائیوں کے بعد، بالآخر وفاقی کابینہ نے ایک مسودے کی منظوری دی، جسے اسی شام سینیٹ نے منظور کرلیا۔ اس کے بعد قومی اسمبلی نے منظوری دی اور صدر نے بھی فوری طور پر اس کی توثیق کردی۔ یوں سرکاری آئینی ترمیمی بل دونوں ایوانوں سے محض بارہ گھنٹوں کے اندر منظور کروا لیا گیا۔ مذکورہ بالا اداروں کے ممبرز عموماً ترمیمی مسودے کی باریکیوں اور نوعیّتوں سے بے خبر رکھے جاتے ہیں، کیوں کہ قانون ساز ممبران جو ایسی ترامیم کو قانون کے طور پر منظور کرنے کے لیے ووٹ ڈال رہے ہوتے ہیں، وہ ترمیم کے گہرے سیاسی، سماجی اور قانونی اثرات ونتائج سے ناواقف ہوتے ہیں، اس لیے کہ انھیں صرف دستخط کرنے کو کہا جاتا ہے اور وہ شعوری کے بجائے اپنے سیاسی جتھے کے مفادات کے تابع رہ کر اپنا وزن ڈالتے ہیں۔ بہرحال یہ ترمیم — جو پُراسراریت اور تنازعات میں گھری ہوئی ہے — سب کے لیے حیران کن تھی، سوائے ان لوگوں کے جو پارلیمان کے بند دروازوں کے پیچھے ہونے والے معاملات سے آگاہ تھے۔

اس ترمیم کے بعد اب عدلیہ میں تقرریاں، برطرفیاں اور معطلیاں حقیقت میں وزیراعظم اور حکومتی اتحاد کی مرضی کے حسبِ منشا ہوں گی۔ اب کوئی سوموٹو نہیں، نہ ہی وزیراعظم کے صدر کو دیے گئے مشورے کے خلاف کسی بھی عدالت میں کوئی قانونی چیلنج قابلِ قبول ہوگا۔ حکومتی حلقوں کا کہنا ہے کہ اس ترمیم سے پارلیمنٹ طاقت ور ہوئی ہے اور چند ججوں کی اجارہ داری ٹوٹ گئی ہے۔ اب اس آئینی ترامیم کے بعد سیاسی استحکام آئے گا اور سیاسی استحکام سے معاشی استحکام آئے گا اور معاشی استحکام سے عام آدمی کو فائدہ ہوگا۔ یہ تو حکومتی حلقے کا خواب ہے، نہ جانے نظام میں موجود قوتوں کی جنگ کے پیشِ نظر ابھی اس سے کتنے طوفان اَور (مزید) اُٹھنے والے ہیں۔

یہاں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ پارلیمنٹ نے کئی دہائیوں سے اعلیٰ عدالتوں اور سپریم کورٹ کے لیے تقرری کا ایسا منصفانہ نظام وضع کرنے اور نافذ کرنے میں بار بار ناکامی کا سامنا کیا ہے، جو تقرریوں کو سیاسی وابستگیوں سے بالاتر، میرٹ کی بنیاد پر یقینی بنا سکے۔ ان عدالتوں میں کی جانے والی بہت سی تقرریاں ایسے وکلا کی ہوتی ہیں، جو بار کی سیاست میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ ضلعی سطح کی سول اور فوجداری عدالتوں میں بہ طورِ جج خدمات انجام دینے والے افراد عموماً ان اعلیٰ عدالتوں میں کم ہی پہنچتے ہیں۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہمارے ہاں کی عدالتیں اپنا سیاسی کردار ادا کرتی رہی ہیں اور اعلیٰ عدالتوں میں ''بنچ فکسنگ'' کے الزامات کے سبب حقیقی اور جائز طور پر سیاسی تنازعات کو بھی جنم دیتی رہی ہیں، جس میں چیف جسٹس صاحبان نے آئینی مقدمات میں اپنے پسندیدہ نتائج کے حصول کے لیے اختیارات استعمال کیے، لیکن یہ سب کچھ اس نظام کے کھیل کا حصہ ہے۔ ایک خراب اور فرسودہ نظام میں محض ترمیمات کے ذریعے اعلیٰ مقاصد کا حصول، سعیٔ لاحاصل کے سوا کچھ نہیں۔

آئینی ترمیم کے حوالے سے اتحادی حکومت کے دعوے آنکھوں میں دُھول جھونکنے کے سوا کچھ نہیں۔ یہ دراصل نظام کے اندر کی اس لڑائی کا شاخسانہ ہے، جس سے سپریم کورٹ کو کنٹرول کرنا مقصود تھا۔ کیوں کہ پارلیمنٹ اور الیکشن کمیشن کنٹرول میں تھا، لیکن سپریم کورٹ کنٹرول میں نہیں تھی۔ جس پارلیمنٹ کی سپرمیسی کی بات ہو رہی ہے، اس پارلیمنٹ میں بیٹھے لوگوں کی حیثیت بھی قابلِ غور ہے کہ وہ کتنے بااختیار رہے ہیں اور ان کی ڈوریاں کہاں سے ہلائی جاتی اور وہ کہاں سے کنٹرول ہوتے ہیں۔

ترمیمی عمل کی جلد بازی، خفیہ اور اس کی سازشی نوعیت خود بتا رہی ہے کہ فروری 2024ء کے انتخابات میں پیشگی اور بعد کی دھاندلیوں کی منصوبہ بندی کی وجہ سے موجودہ پارلیمنٹ کی جمہوری حیثیت بے معنی ہے، جو ترمیم کو غیر قانونی بنا دیتی ہے۔ چاہے اس کی نوعیت اور ڈیزائن دیگر معیارات کے لحاظ سے اچھا ہی کیوں نہ ہو۔ اس سے بھی بدتر یہ ہے کہ اس آئینی انحراف کا راستہ سپریم کورٹ اور اس کے سبکدوش ہونے والے چیف جسٹس کی جانب سے انتہائی محنت سے ہموار کیا گیا ہے۔ کورٹ نے پی ٹی آئی کو اس کے انتخابی نشان سے محروم کر کے پیشگی دھاندلی میں معاونت کی۔ اس کے باوجود پی ٹی آئی قومی اسمبلی میں سب سے بڑی سیاسی جماعت کے طور پر اُبھری۔ عدالت میں انتخابی نشان کے اس قضیے نے ایک جانب دار الیکشن کمیشن کو یہ موقع فراہم کیا کہ وہ پی ٹی آئی کو پارلیمانی جماعت کا درجہ دینے سے انکار کر دے۔ اس نے اس جماعت کے منتخب اراکین کو آزاد قرار دے دیا اور مخصوص نشستوں کے حق سے بھی محروم کر دیا۔ جب سپریم کورٹ کے مکمل بنچ کی اکثریت نے اپنے فیصلے کے ذریعے الیکشن کمیشن کی ان چالوں کو ختم کیا، جو اِن نشستوں اور حکومت کی اتحادی کو سپرمیجوریٹی دینے کے لیے تیار کی گئی تھیں تو اس فیصلے کو آج تک الیکشن کمیشن اور حکومت نے تسلیم ہی نہیں کیا۔

جسٹس قاضی نے جس تیزی سے ایک ہم خیال بنچ تشکیل دے کر، آرٹیکل 63اے کی تشریح سے متعلق سپریم کورٹ کے سابقہ فیصلے کو کالعدم قرار دے دیا، جس نے سپریم کورٹ کے اس پہلے فیصلے کو نظر انداز کیا جو پارلیمنٹ میں پارٹی چھوڑنے اور فلور کراسنگ پر پابندی عائد کرتا تھا، اس طرح سے ممبران کی منڈیوں کو جواز فراہم کیا گیا، تاکہ حکومت حسبِ ضرورت ممبران کو خرید کر ترمیم کو ممکن بنا سکے۔

اس ترمیم کے حوالے سے ملک کی مذہبی سیاست نے موقع پرستی، خوابوں اور خوش فہمیوں کے ذریعے اپنی جگ ہنسائی کا ریکارڈ قائم رکھا ہے اور 2028ء میں سود کے خاتمے کے عوض ترمیم کو کندھا دینے کا جواز تراشا ہے۔ مولانا کے مزاج درون خانہ سے واقف کار لوگوں کا خیال تھا کہ مولانا آخر میں ترمیم کے حق میں ووٹ دیں گے اور مولانا کا سارا غیظ وغضب سکرپٹڈ ہے۔ مولانا دراصل سٹیٹس کو کی قوتوں کے نمائندہ ہیں۔ (بقیہ: صفحہ 11 پر)

www.rahimia.org

علم الاحسان کے فوائد؛ مقامات واَحوال

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ ''حُجّۃُ اللّٰہِ البالِغہ'' میں فرماتے ہیں:

''جاننا چاہیے کہ علم الاحسان حاصل ہونے کے بعد اُس سے جو فوائد اور ثمرات حاصل ہوتے ہیں، انھیں ''مقامات'' اور ''اَحوال'' کہا جاتا ہے۔

(امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے دوسری جگہ فرمایا ہے کہ: ''عمدہ مَلَکی صفات اگر ایسے پختہ اَخلاق اور مَلَکات کی صورت اختیار کرلیں۔ کہ ہمیشہ اُس خُلق کے نتیجے میں پیدا ہونے والے اَعمال ایک ہی طریقے یا قریب قریب طریقے پر سرانجام پاجائیں۔ تو انھیں ''مقامات'' کہا جاتا ہے۔ اور اگر مَلَکی صفات کبھی نورانی شکل میں ظاہر ہوں اور کبھی غائب ہوجائیں، اور وہ ابھی انسان میں پختہ نہ ہوئی ہوں، یا وہ ایسے اُمور سے متعلق ہوں کہ وہ کبھی پختہ نہیں ہوسکتی، جیسے خواب، غیب سے آواز آجانا، یا کسی صفت کا غالب ہوجانا، انھیں ''احوال'' اور ''اوقات'' کہا جاتا ہے۔)

اس باب سے متعلق احادیث کی شرح سمجھنا دو مقدموں کے بغیر ممکن نہیں:

پہلا مقدمہ: جاننا چاہیے کہ انسان میں تین لطیفے ہیں، جنھیں ''عقل''، ''قلب'' اور ''نفس'' کہا جاتا ہے۔ انسان میں ان تین لطائف کے موجود ہونے پر شریعت سے منقول نصوص، عقلی دلائل اور تجربہ شاہد ہے اور اس پر عقل مندوں کا اتفاق بھی ہے۔

(عقل کے ثبوت پر شریعت سے) منقول دلائل

قرآن عظیم میں یہ بات وارد ہوئی ہے کہ: ''اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ'' (اس میں عقل مند قوم کے لیے نشانیاں ہیں) (13-الرعد:4، 16-النحل:12، 30-الروم:24)۔ اسی طرح جہنم میں جانے والوں کی بات اللہ پاک نے نقل فرمائی ہے: ''کاش کہ ہم بات کو سنتے، یا عقل سے کام لیتے تو ہم جہنم میں داخل نہ ہوتے'' (67-الملک:10)۔

حدیث میں آیا ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا۔ پھر اُس سے کہا کہ: ''سامنے آجا!'' وہ سامنے آگئی۔ پھر اُس سے کہا: پیچھے چلی جا! وہ پیچھے چلی گئی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ''میں تیری بنیاد پر لوگوں کا مواخذہ کروں گا''۔ (رواہ الطبرانی فی الاوسط، حلیۃ الاولیاء، مسند لیث بن سعد) اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''آدمی کا دین اُس کی عقل کے مطابق ہوتا ہے۔ جس میں عقل نہیں ہے، اس کا کوئی دین نہیں ہے''۔ (کنز العُمّال، حدیث:7033) اسی طرح آپؐ نے ارشاد فرمایا: ''جسے عقل دی گئی، وہ کامیاب رہا''۔ (کنز العُمّال، حدیث:7041) اگرچہ محدثین کے ہاں ان احادیث کے ثبوت میں گفتگو کی گئی ہے، لیکن ان کی تمام اَسانید ایک دوسرے کو مضبوط بناتی ہیں۔

(قلب کے ثبوت پر شریعت سے) منقول دلائل

قرآن عظیم میں آیا ہے کہ: ''اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ مرد اور اُس کے دل کے درمیان حائل ہوجاتا ہے''۔ (8-الانفال:24) اور ایسے ہی قرآن پاک میں آیا ہے کہ: ''بے شک اس میں نصیحت ہے اُس کے لیے، جس کے اندر دل ہے، یا وہ متوجہ ہوکر بات کو اچھی طرح سنے''۔ (50-ق:37) اور حدیث میں آیا ہے کہ: ''خبردار! جسم میں ایک ٹکڑا ہے، جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو جسم ٹھیک ہوجاتا ہے۔ اور جب وہ خراب ہوجاتا ہے تو پورا جسم خراب ہوجاتا ہے۔ خبردار! جان لو کہ وہ قلب ہے''۔ (متفق علیہ، مشکوۃ، حدیث:2762) ایسے ہی حدیث میں آیا ہے کہ: ''قلب کی مثال جنگل میں پڑے ہوئے پَر کی مانند ہے، جسے ہوائیں ظاہر سے باطن کی طرف بدلتی رہتی ہیں''۔ (مشکوۃ، حدیث:103)

(نفس کے ثبوت پر شریعت سے) منقول دلائل

حدیث میں آیا ہے کہ: ''نفس، تمنا اور خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ اُس کی تصدیق کرتی ہے یا جھٹلا دیتی ہے''۔ (متفق علیہ، مشکوۃ، حدیث:86)

ان تینوں الفاظ کے استعمالات کا جائزہ لینے سے یہ معلوم ہوا کہ:

(1) ''عقل'' وہ چیز ہے کہ جس سے انسان اُن چیزوں کا اِدراک کرتا ہے، جو اپنے دیگر حواس سے ادراک نہیں کرسکتا۔

(2) اور ''قلب'' وہ چیز ہے کہ جس کے ذریعے سے انسان کسی چیز سے محبت کرتا، یا بغض رکھتا ہے اور اپنا اختیار استعمال کرتا ہے اور عزم اور ارادہ کرتا ہے۔

(3) نفس وہ چیز ہے، جس سے انسان کھانے پینے اور نکاح وغیرہ کی لذت اُٹھانے کے لیے اپنی خواہشات کا اظہار کرتا ہے۔

(تینوں لطائف کے ثبوت کے عقلی دلائل)

انسان کی جسمانی ساخت پر بحث کرنے والے علم (یعنی: فن طب) میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ انسانی بدن میں تین اعضائے رئیسہ ہیں۔ انھی تین اعضا کے ذریعے سے انسان کی وہ تمام قوتیں اور اَفعال۔ جو انسان کی نوعی صورت کا تقاضا ہیں۔ مکمل طور پر اپنا کام کرتے ہیں:

(1) (دماغ): انسان کی تمام علم وادراک حاصل کرنے والی قوتیں، مثلاً تخیُّل، توھُّم اور تخیُّلات اور توھُّمات میں انسان کے تصرف کی حالت اور ماورائے مادہ اشیا کو کسی نہ کسی طریقے بیان کرنے کی قوتوں کا مقام انسانی ''دماغ'' ہے۔

(2) (قلب): انسان میں غصہ، جرأت اور دلیری، سخاوت اور بخل، خوشی اور ناراضگی اور اسی طرح کی تمام چیزوں کا محل اور مقام انسانی ''قلب'' ہے۔

(3) (نفس): انسان کی بدنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جن کھانے پینے اور جنسی تقاضوں کی ضرورت ہے، اُن کا مطالبہ کرنے کا مقام کَبِد (جگر) ہے (اور جگر میں ''نفس'' ہوتا ہے، جو تین لطائف میں سے ایک ہے)۔

کبھی ان قوتوں میں سے بعض میں اُس وقت خرابی پیدا ہوجاتی ہے جب ان میں سے بعض اعضا میں کوئی آفت اور خرابی پیدا ہوجائے۔ اس سے ان مخصوص اعضا میں ان تینوں لطائف کی موجودگی کا پتہ چلتا ہے''۔ (ابواب الاحسان، باب:4، المقامات والاحوال)

www.rahimia.org

اسلامی دور کی ناقابلِ فراموش شخصیات

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

سقوطِ بغداد؛ وجوہات واَسباب

مؤیدالدین بن علقمی (متوفی 1258ء) جو ''ابن علقمی'' کے نام سے معروف تھا، وہ خوشامد وچاپلوسی کے ذریعے خلیفہ کا اعتماد حاصل کر چکا تھا۔ اب اس نے ہلاکو خان کے حملے کو کامیاب بنانے کے لیے جو تدابیر اختیار کیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ بغداد میں جو کثیر تعداد میں فوج تھی، اس کی تعداد کم کرنے کا خلیفہ کو مشورہ دیا اور کہا کہ ملکی آمدن میں کمی ہو رہی ہے اور فوج کی تنخواہیں بہت زیادہ ہیں، تو کیوں نہ فوج کی تعداد کم کر دی جائے۔ خلیفہ نے اربابِ حل وعقد سے مشورہ کیے بغیر اس تجویز کی منظوری دے دی۔ چناں چہ فوج میں کمی کے ساتھ فوج کا ایک بڑا حصہ دوسرے شہروں اور صوبوں میں بھیج دیا۔ باقی فوج کی تنخواہوں کی ادائیگی کے لیے یہ طریقہ اختیار کرنے کی تجویز دی کہ فوج شہریوں سے خود ٹیکس وصول کرے، جس سے لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ مقصد یہ تھا کہ فوجی جب شہریوں سے ٹیکس وصول کریں گے تو اہلِ شہر سے زیادتی کے واقعات ہوں گے، جس سے شہری' خلیفہ سے بدظن ہوں گے۔ خلیفہ پر جو اہل بغداد کا اعتماد ہے، وہ متزلزل ہوگا۔ اُدھر حلہ کے مقام پر ابن علقمی کے ہم عقیدہ لوگ زیادہ تھے۔ وہاں کے لوگوں کو تیار کیا گیا کہ وہ ہلاکو خان کو خطوط لکھیں اور بغداد پر حملے کی دعوت دیں۔ چناں چہ ان شرپسندوں نے ہلاکو خان کو جو خطوط لکھے، ان میں لکھا کہ: ''ہمارے بزرگوں نے پیشین گوئی کے طور پر ہمیں خبر دی تھی کہ فلاں سن میں فلاں منگول سردار بغداد پر قبضہ کرے گا۔ ان کی پیشین گوئی کے مطابق آپ ہی وہ سردار ہیں۔ آپ کا قبضہ اس ملک پر ہونے والا ہے۔ لہٰذا ہم پہلے سے ہی اپنی اطاعت وفرماں برداری کا اظہار کرتے ہیں اور آپ سے امان طلب کرتے ہیں''۔

مزید یہ کہ نصیرالدین طوسی (متوفی 1274ء) جو مشہور فلسفی، ریاضی دان اور علم نجوم کا ماہر تھا اور ابن علقمی کا ہم عقیدہ تھا، وہ ہلاکو خان کے دربار سے وابستہ تھا۔ اور وزارت کے عہدے پر فائز تھا۔ ابن علقمی نے اس سے رابطہ کیا اور اس سے کہا کہ وہ ہلاکو خان کو بغداد پر حملے کی ترغیب دیں۔ اس صورتِ حال میں ہلاکو خان نے نصیرالدین طوسی سے مشورہ کیا تو طوسی نے کہا کہ علم نجوم سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ بغداد پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا اور آپ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ چناں چہ ان تمام ترغیبات اور مشوروں کی بنیاد پر ہلاکو خان نے بغداد پر حملہ کرنے کی ٹھان لی۔ پہلے مقدمۃ الجیش کے طور پر کچھ فوج بغداد کی طرف روانہ کی۔ جب بغداد کے قریب منگول لشکر کے پہنچنے کی خلیفہ کو خبر دی گئی تو خلیفہ نے اپنے ایک سپہ سالار فتح الدین داؤد کی سربراہی میں لشکر تیار کر کے مقابلے کے لیے روانہ کیا۔ فتح الدین ایک بہادر اور منتظم سپہ سالار تھا۔ اس نے ایسی جنگی حکمتِ عملی اختیار کی اور منگول فوج کا نہایت بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا کہ منگول فوجوں کو شکست ہوئی اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگنے لگے۔ ان کے پسپا ہونے کے بعد فتح الدین نے اسی جگہ پڑاؤ ڈالنے کا فیصلہ کیا، لیکن دیگر فوجیوں نے منگول فوج کا تعاقب کرنے پر اصرار کیا۔ (بقیہ: صفحہ 12 پر)

ملکی معیشت ملکی معیشت ملکی معیشت

محمد کاشف شریف ، اسلام آباد

معاشی اعشاریوں میں بہتری

معاشی حوالے سے متوسط طبقے کا اطلاق اُن پر ہوتا ہے جو اپنی آمدن کو بنیادی ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے علاوہ دیگر مشاغل جیسے اضافی اشیائے صَرف، گھریلو تزئین وآرائش، تبدیلیٔ آب وہوا، یا عبادت کے لیے سفر، تفریح واضافی تعلیم پر خرچ وغیرہ کر سکیں۔ آمدن کے لحاظ سے یہ طبقہ دراصل معیشت کا روحِ رواں ہوتا ہے۔ چناں چہ جس سوسائٹی کا بڑا حصہ اس طبقے پر مشتمل ہو، وہاں امن وخوش حالی عام ہوتی ہے۔ اس کی وجہ اُن کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے پیداواری عمل ہی روزگار کو پیدا کرتا ہے اور یوں یہ طبقہ مضبوط ہوتا چلا جاتا ہے۔ پاکستان ایک بڑی پیداواری معیشت ہے، جہاں آبادی میں اضافہ، خوراک اور توانائی کی کھپت کی بنیاد پر ماہرین کا کہنا ہے کہ یہاں کی معاشی پیداوار ریکارڈ کی جانے والی پیداوار سے دوگنا بڑی ہے۔ ورلڈ بینک کے مطابق پاکستان کی چھپی ہوئی معیشت کا حجم لگ بھگ 460 ارب ڈالر ہے۔

قوتِ خرید (Purchasing Price Parity (PPP کے تناسب سے پاکستان کئی ممالک سے آج بھی بہتر پوزیشن پر ہے۔ اس کا اندازہ گھروں کے کرائے، کپڑوں کی قیمت ورسد، خوراک کی فراہمی اور اُس کے دام وغیرہ سے لگایا جا سکتا ہے۔ راقم الحروف کا گزشتہ چار ماہ کے دوران یورپ اور امریکا کا سفر رہا۔ اس دوران وہاں مہنگائی کا احساس' شدت سے رہا۔ اس کی ایک بڑی وجہ تو پاکستانی کرنسی کی کمزوری تھی، لیکن اس پہلو کو اور وہاں کی بہتر قوتِ خرید کو مدِنظر رکھا جائے، پھر بھی مَیں نے یورپ اور امریکا کو پاکستان سے کم از کم تین گنا زیادہ مہنگا پایا۔ یہ ممالک بالخصوص 2008ء کے معاشی بحران کے بعد مستقل افراطِ زر کا شکار ہیں۔ اس بحران کے پندرہ سال بعد ایک اوسط خاندان کو معمول کی زندگی گزارنے کے لیے قریباً دوگنی آمدن درکار ہے۔ یہ اب پوری دنیا کا مسئلہ بن چکا ہے اور اس مسئلے کے حل کے طور پر متوسط طبقہ نشانے پر ہے۔

وطنِ عزیز میں گزشتہ دو سالوں میں متوسط طبقہ سکڑتا چلا جا رہا ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایندھن اور بجلی کی کھپت میں ایک تہائی کمی ریکارڈ کی جا چکی ہے اور دوسری طرف نت نئے ٹیکس لگانے کے باوجود ہمارا ایف بی آر اپنے طے شدہ ٹارگٹ کے مطابق وصولی نہیں کر پایا۔

اس سب کے دوران' میڈیا پر شور مچایا جا رہا ہے کہ معیشت میں بہتری کے آثار نمایاں ہیں۔ جو سیاسی بیان زیادہ لگتا ہے۔ کیوں کہ ماہرین ہر سال کے اعداد وشمار گزشتہ سال کے اعداد وشمار کی مناسبت سے جاری کرتے ہیں۔ چناں چہ بُرے ترین سال سے اگلا سال بہرحال حالات بہتر ہی بتائے گا۔ یوں ہمارے حکمران اس اکیڈیمک ڈیٹا کو سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے استعمال کرتے رہتے ہیں۔ بہتری ایک سال میں نہیں آتی اور بالخصوص پاکستان جیسے ملک میں معاشی اعشاریوں میں بہتری چار، یا پانچ سالوں کی مستقل مزاجی ہی لا سکتی ہے، ورنہ تو سب باتیں ہی ہیں۔

www.rahimia.org

عالمی منظرنامہ

مرزا محمد رمضان، راولپنڈی

ایس سی او (SCO) پاکستانی چیپٹر

علاقائی ترقی واستحکام کے لیے اجتماعیت کی تشکیل کرنے والے ادارے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان کی سیاسی ومعاشی ساکھ بہت حد تک متأثر کن ہوتی ہے۔عسکری اعتبار سے مضبوط اور ٹیکنالوجی میں بالادست ہونے سے ان کا رعب اور دبدبہ پھیلتا ہے۔ایسے ادارے جن کی مدد کرتے ہیں، وہ بھی طاقت ور بن جاتے ہیں۔اس کے برعکس کمزوری اور لاغرپن کے حامل معاہدات سے جن کی مدد ہوتی ہے،ان سے کمزور ممالک کی کمزوری دور ہوتی ہے اور نہ ہی ان کی کوئی حیثیت اُبھر کر سامنے آتی ہے۔

ایس سی او (S.C.O) یعنی شنگھائی تعاون تنظیم ایک یوریشین سیاسی، اقتصادی، بین الاقوامی سلامتی اور دفاعی تنظیم ہے، جسے چین، قازقستان، کرغیزستان، روس، تاجکستان اور اُزبکستان نے مل کر 2001ء میں قائم کیا تھا۔ یہ جغرافیائی دائرۂ کار اور آبادی کے لحاظ سے دنیا کی سب سے بڑی علاقائی تنظیم ہے، جو یوریشیا کے 80 فی صد رقبے اور دنیا کی 40 فی صد آبادی پر محیط ہے۔ یہ تمام ممالک 'شنگھائی 5' کے اراکین تھے،سوائے ازبکستان کے جو اس میں 2001 میں شامل ہوا،تب اس تنظیم کا نام بدل کر شنگھائی تعاون تنظیم رکھا گیا۔

10/جولائی 2015ء کو اس میں بھارت اور پاکستان کو بھی شامل کیا گیا، جب کہ اس سے قبل پاکستان 2005ء سے شنگھائی تعاون تنظیم کا مبصر ملک تھا، جو تنظیم کے اجلاسوں میں باقاعدگی سے شرکت کرتا رہا اور 2010ء میں پاکستان کی جانب سے شنگھائی تعاون تنظیم کی رُکنیت کے لیے درخواست دی گئی۔ تنظیم کے رُکن ممالک کے سربراہان نے جولائی 2015ء میں ''اوفا اجلاس'' میں پاکستان کی درخواست کی منظوری دی اور پاکستان کی تنظیم میں باقاعدہ شمولیت کے لیے طریقۂ کار وضع کرنے پر اتفاق کیا۔ پاکستان کی شمولیت سے شنگھائی تعاون تنظیم کے رکن ممالک کی تعداد آٹھ ہوگئی تھی۔ 9/جون 2017ء کو پاکستان اور بھارت کو تنظیم کی مکمل رُکنیت مل گئی۔گزشتہ 23 سالوں کے دوران نہ صرف اس کے اراکین کی تعداد میں اضافہ ہوا ہے، بلکہ اس کے اَغراض ومقاصد میں سیکیورٹی کے علاوہ باہمی تجارت، توانائی، علاقائی روابط اور سرمایہ کاری کو بھی فروغ حاصل ہوا ہے۔

پاکستان اور انڈیا کی شمولیت سے تنظیم کی بحرِ ہند اور بحیرۂ عرب تک توسیع ہوگئی ہے، جو نہ صرف وسط ایشیائی ممالک کو سمندر پار افریقی اور جنوب مشرقی ایشیا کے ممالک تک رسائی مہیا کرتی ہے، بلکہ روس اور چین کو بھی افغانستان کے راستے بحیرۂ عرب کے پار مشرقِ وسطیٰ، مشرقی افریقا اور جنوب مشرقی ایشیا تک کو ملا دیتی ہے۔

اس تنظیم کا ایک اہم سربراہی اجلاس پاکستان کی میزبانی میں 15/تا 17/اکتوبر کو اسلام آباد میں منعقد ہوا ہے، جس میں دنیا کے مختلف ممالک کے مندوبین نے شرکت کی۔ 2001ء میں اپنے قیام سے اب تک تیزی سے ترقی کرتی ہوئی اس تنظیم کا یہ 23واں سربراہی اجلاس ہے۔میزبان پاکستان اس تقریب کے لیے ''کونسل آف ہیڈز آف گورنمنٹ'' (CHG) کی گردشی چیئرمین شپ رکھتا ہے۔

اس سربراہی اجلاس میں شنگھائی تعاون تنظیم کے رکن ممالک بہ شمول بھارت، چین، روس، قازقستان، کرغزستان، تاجکستان، ازبکستان اور ایران کے اہم رہنما اور مندوبین نے شرکت کی۔ ایونٹ کا اہم نکتہ پاکستان کی میزبانی، پاکستان کا اقتصادی اور علاقائی رابطہ، پاکستان کی سفارتی مطابقت اور ساکھ اور قابلِ اعتماد سیکورٹی تھا۔ پاکستان کو غیر محفوظ اور ناکام ریاست بنانے والے عناصر کے عزائم کی بیخ کنی بھی شامل تھے۔سربراہی اجلاس میں موجود عالمی رہنما رکن ممالک کے درمیان تعاون کو مزید بڑھانے اور بین الحکومتی تعلقات کو بہتر بنانے کے لیے تنظیمی فیصلے کیے گئے۔شنگھائی تعاون تنظیم کے اجلاس میں معیشت، تجارت، ماحولیات، سماجی وثقافتی روابط کے شعبوں میں ممکنہ تعاون پر تبادلہ خیال کیا گیا۔علاوہ ازیں تنظیم کی گزشتہ کارکردگی کا بھی جائزہ لیا گیا۔

سربراہی اجلاس کا مقصد علاقائی استحکام کو مضبوط بنانا اور جاری تنازعات کو حل کرنا تھا۔SCO کے رکن ممالک کے درمیان مالی، اقتصادی، سماجی، ثقافتی اور انسانی ہمدردی کی بنیاد پر تعاون کی راہیں تلاش کی گئیں۔ SCO کا اجلاس پاکستان میں ہونے کے باعث ہندوستان کی شرکت توجہ کا مرکز بنا رہا۔سربراہ اجلاس سے قبل شنگھائی تعاون تنظیم کے کوآرڈینیٹرز کا اہم اجلاس 12/اکتوبر سے اسلام آباد میں شروع ہوکر 14/اکتوبر تک جاری رہا۔نیشنل کوآرڈینیٹرز کے اجلاس میں سربراہانِ حکومت کے اجلاس کا ایجنڈا، دستاویزات اور دیگر معاملات کو حتمی شکل دی گئی۔

پاکستان جنوبی ایشیا کا واحد ملک ہے جو اپنے سابقہ آقاؤں کی پالیسی پر سختی سے عمل پیرا ہے۔علاقائی طاقتوں نے حتی المقدور کوشش کی کہ سامراجی کھڑکی کو بند کر کے تازہ آب وہوا کے لیے مقامی دریچہ یا جھروکے مستعمل ہو جائیں۔انھیں ابھی تک کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔کامیابی جہدِ مسلسل میں پنہاں ہے۔ دیواریں کبھی بھی ایک ہی ٹھوکر سے نہیں گرتیں۔ یہ عمل متعدد بار دُہرانا پڑتا ہے۔ایس سی او بنانے والوں کی توجہ ابھی تک دیگر رُکن ممالک کو سامراجی اثرات سے پاک رکھنے میں مرکوز رہی ہے۔استعماراجتماع کو ترقی دینے کے بجائے فرد کو شیشے میں اُتارنا اپنے لیے مفید اور کارآمد سمجھتا ہے۔

علاقائی طاقتوں نے کوشش کی کہ پاکستان کی خارجہ پالیسی آزاد ہوجائے، لیکن یہاں کی مقتدرہ اپنے سابقہ آقاؤں کے اثر ورُسوخ میں رہنے میں ہی اپنی بقا سمجھتی ہے۔ سابقہ پالیسی سے علاحدہ ہونے کے لیے دو طرح کی قربانی دینی پڑتی ہے: ایک جان کی اور دوسرا مال کی۔حالیہ مقتدرہ کے سامنے دو طرح کے پیش رَو گزرے ہیں: ایک وہ جو سینے پر گولیاں کھاتا ہے اور آخرت میں جنت کماتا ہے۔دوسرا جو سینے پر تمغے لٹکاتا ہے اور دنیا میں ہی جنت حاصل کر لیتا ہے۔معاشی نظاموں کے ٹکراؤ میں دنیا کی جنت میں زیادہ دلکشی اور ترغیب ہے۔آخرت کی جنت کا تعلق عقیدہ وایمان کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ مقتدرہ کی تربیت میں زیرِ اقتدار شہیدوں کو کندھا دینا آسان اور پُروقار دکھائی دیتا ہے۔ خود کندھے پر آنا مقتدرہ کو شیوا نہیں دیتا ہے۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

موعظتِ حسنہ، حکمت اور غلبۂ دین

11/ اکتوبر 2024ء کو حضرت اقدس مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ لاہور میں خطبہ جمعۃ المبارک ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

''معزز دوستو! اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ نبی اکرم ﷺ کے ذریعے سے قیصر وکسریٰ اور ابوجہل کی حکومتوں کا خاتمہ کرنا ہے۔ کیوں کہ اُن کا ظلم وستم انسانیت پر انتہائی بڑھ چکا ہے۔ نبی اکرمؐ سے تمام ادیان پر دینِ اسلام کے غلبے کا کام کروانا ہے، اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کو دعوت الی اللہ کے لیے داعی کا منصب عطا فرمایا ہے۔ ''سورت النحل'' کی آیت 25 میں آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ آپ اپنے ربّ کے راستے کی طرف دعوت دیجیے۔ اور سورت الاحزاب میں نبی اکرمؐ کو ''داعیاً الی اللہ باذنہٖ'' کہا گیا ہے۔ انسانیت کو اللہ کی اجازت اور حکم سے آپؐ نے دعوت دی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپؐ نے اس دعوت میں دو بنیادی اُمور؛ ''حکمت'' اور ''موعظتِ حسنہ'' پیشِ نظر رکھنے ہیں۔ حکمت یہ ہے کہ اپنے گردوپیش کے بنیادی حقائق کی معرفت اور علم حاصل کرنا کہ آپ کے گردوپیش کون سے حقائق ہیں؟ کون سے مسائل ہیں؟ حقیقی صورتِ حال کیا ہے؟ اور پھر ان حقائق کی روشنی میں جو معلومات حاصل ہوں، ان کو ایسی ترتیب کے ساتھ قائم کرنا کہ جس سے ایک صحیح اور درست نتیجہ پیدا ہو۔ رسول اللہ ﷺ سے کہا جا رہا ہے کہ آپ نے حکمت کی اَساس پر اپنے ربّ کے راستے کی دعوت دینی ہے۔ کیوں کہ راستے بہت سارے ہیں۔ کوئی یہودیت کا، کوئی عیسائیت کا، کوئی مشرکین کا، کوئی منافقت کا، کوئی قیصر کا، کوئی کسریٰ کا راستہ ہے۔ اُن تمام راستوں سے ہٹ کر صرف اور صرف اللہ کے راستے کی پہچان پیدا کرنی ہے۔

''موعظتِ حسنہ'' سے مراد ایسی نصیحت، وعظ اور خیرخواہی کا عمل ہے، جو الحسنہ ہے۔ یعنی وہ فکر وعمل جس سے دنیا حسنہ بنے۔ دنیا میں اُس سے حسن پیدا ہو۔ انسان کو ترقی حاصل ہو۔ اور پھر اس کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی حسنہ ملے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں حسنة فی الدنیا و حسنة فی الاخرة کا ذکر کیا گیا ہے۔

اب یہ حکمت، جس کی اَساس پر رسول اللہؐ نے دعوت دی ہے، اُس کے بنیادی اُصول امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی شاہکار کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے ''باب الحاجة إلیٰ دینٍ ینسخ الأدیان'' میں بیان فرمائے ہیں کہ ''أن یدعُوَ قومًا إلی السُّنّة الرّاشدہ''؛ نبی اکرمؐ نے اپنی قوم کو ایک صحیح اور درست سسٹم اور سنت کی دعوت دی۔ ''سنت'' سے مراد سسٹم اور طریقۂ کار ہے۔ ایک سنتِ راشدہ ہے اور اس کے مقابلے کی ایک سنتِ فاسدہ یا خبیثہ ہے۔ رسول اللہؐ نے جس ''سنتِ راشدہ'' کی طرف دعوت دی، وہ سسٹم اور طریقۂ کار ہے جو انسانیت کے لیے ہدایت، رہنمائی اور ترقی کا ذریعہ بنا۔ اسے اختیار کر کے دنیا بھی حسنہ بنتی ہے اور آخرت میں بھی ترقیات نصیب ہوتی ہیں''۔

دعوت الی اللہ کے بنیادی اُصول

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ''سنتِ راشدہ'' کی طرف دعوت دینے کے بعد اگلا مرحلہ یہ ہے کہ ''ویُزکّیھم ویُصلح شأنھم''؛ قوم کی ظاہری حالت اور کیفیت کی بھی اصلاح کی جائے۔ انھیں محض یہ سکھا دینا کافی نہیں کہ اچھا نظام ایسا ہوتا ہے، بُرا نظام یہ ہوتا ہے اور اس پر فکری اور فلسفیانہ گفتگو کرنے کی عادت بنا دی جائے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فرد اور قوم کے دل ودماغ پر جو بُرے نظام، غلط راستے، سنتِ خبیثہ کے اثرات مسلط ہیں، ان کو نکال باہر کریں اور صحیح سسٹم کے بنیادی اَساسی اُمور اُن کے قلوب میں، عقول میں، نفوس میں پیوست کریں۔ اُس کے لیے جدوجہد اور کوشش کریں، تاکہ دعوت کا یہ اثر ہو کہ وہ ذاتی خواہشات، مفادات، تصورات سے اوپر اُٹھ کر صرف انسانیت کے لیے کام کرنے والی بہترین جماعت، اُمت، پارٹی اور قوم بن جائے۔ دعوت کا یہ پہلا بنیادی کام ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دوسرا اُصول ''وأن یکون تعلیھم الدین إیّاھم مضمومًا إلی القیام بالخلافة العامّة'' جسے محمد مصطفیٰ ﷺ نے اپنی دعوت میں پیشِ نظر رکھا، وہ یہ کہ عام انسانیت کے مفاد کی حکومت قائم کرنے کے نظریے سے قوم کی تربیت کی۔ کیوں کہ دعوت، تربیت اور تزکیہ، خلافت اور حکومت کے ذریعے سے ہوگا۔ صرف اَخلاقیات کی بحث نہیں، بلکہ دین کی تعلیم، نبی کی سیرت اور انسانی مفادِ عامہ کے نظریے سے اپنی حکومت قائم کرنی ہے، اپنی ریاست قائم کرنی ہے۔

شاہ صاحبؒ نے دعوت کا تیسرا اُصول ''أن یجعل ھٰذا الدّین غالبًا علی الأدیان کلّھا'' بیان کیا کہ اس دینی نظریے پر جو جماعت تیار ہوگی، وہ دنیا بھر کے ظالموں کا مقابلہ کرے گی، انسانیت دشمنوں سے جہاد کرے گی، تاکہ تمام ادیان پر اس دین کو غالب کر دیا جائے۔ یہ دعوتِ محمدی ہے۔

آپ ﷺ کے ''داعیاً الی اللہ'' ہونے کی تشریح میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے دعوت کے یہ تین بنیادی نکات بیان کیے ہیں: 1۔ صحیح سسٹم کی دعوت، 2۔ حکومت قائم کے نظریے سے تربیت 3۔ اور اس طاقت کے ذریعے پوری دنیا میں حق تبارک وتعالیٰ کے دین کو دنیا میں غالب کرنا۔ دعوت الی اللہ اصل میں ان تین بنیادی نکات پر ہے اور اسی کے تناظر میں الموعظة الحسنہ ہے۔ ان تینوں اُمور کو موقع محل کی نزاکت اور پیش آمدہ صورتِ حال کے مطابق افراد اور اقوام کے سامنے بار بار نصیحت کرنا، اچھے طریقے سے، خوب صورت انداز میں بیان کرنا چاہیے۔ پیار سے، محبت سے، عمدگی سے، لوگوں کی عزتِ نفس کا خیال رکھتے ہوئے، موقع محل کی مناسبت سے، قوم کو نصیحت کرے۔ موقع بہ موقع اپنے اہداف یاد کراتے رہیں۔ صرف ڈانٹ ڈپٹ کے ساتھ نہیں، بلکہ موعظتِ حسنہ میں جہاں ضرورت ہو، وہاں غضب دکھا کر بھی توجہ دلائی جاسکتی ہے، لیکن اصل اصول ''حکمت'' پیشِ نظر رہے''۔

www.rahimia.org

دعوت کا نبوی منہج اور ذمہ داری قبول کرنے کا اُصول

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''دعوت میں بنیادی طور پر سوالات پیدا کرنے ہیں، تاکہ مدعو سنتِ راشدہ اور سنتِ فاسدہ کے درمیان فرق اور امتیاز پیدا کر سکے۔ اچھے اور بُرے کی تمیز پیدا کر سکے۔ سوالات قائم کرنے سے وہ سمجھے گا کہ اس سسٹم کی سیاست، معیشت، قانون، آئین، دستور، انسانیت کے فائدے کا ہے یا انسانیت کے نقصان کا ہے؟ یہ ہے اصل دعوت۔

دعوت کی اَساسیات یہ ہیں کہ اللہ کی اذن اور اجازت سے دعوت دی جائے۔ اپنی نفسانی وذاتی خواہشات کو سامنے نہ رکھا جائے۔ اس لیے جتنے صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اولیاء اللہؒ گزرے ہیں، وہ اپنے تزکیے اور اپنی تعلیم وتربیت کے مراحل میں اُس وقت تک دعوت کے منصب پر نہیں بیٹھتے، جب تک کہ اذنِ خداوندی نہ ہو جائے۔ اور اذنِ خداوندی کے دو ہی راستے ہیں: ایک تو یہ کہ وہ ''تطلع الی الجبروت'' کر کے ایسے مقام پر پہنچ جائے کہ ذاتِ باری تعالیٰ اُس کو الہام کے ذریعے سے اجازت دے۔ یہ قطعی الہام اور وحی صرف اور صرف انبیا علیہم السلام کو ہوتی ہے۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ نبی نے جسے اجازت دے کر اپنی جگہ پر دعوت کے لیے مقرر کیا ہو تو اس کی اجازت سے دعوت دے۔

امام شاہ ولی اللہ نے ایک اَور اُصول بیان کیا کہ خلافتِ راشدہ میں حکومت کے عہدے دار وہ تھے کہ جن کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں کسی کام میں اپنا نائب بنایا اور اجازت دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نماز اور باقی کاموں میں اپنا نائب بنایا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے ذمہ مدینے میں زکوٰۃ وصدقات اکٹھا کرنے کا نظم ونسق تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو گورنر لگایا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو اپنی نیابت میں یمن بھیجا تھا۔ یہ ''باذنہ'' (اجازت) ہے۔ اس لیے تمام علمائے ربانیین کا اتفاق ہے کہ جب تک کوئی جس کے زیرِ تربیت ہے، وہ اُس کی تربیت مکمل کرنے کے بعد اپنی طرف سے یہ نہ کہے کہ تُو جا کر یہ کام کر، اُس وقت تک اپنی خواہش اور اپنی مرضی سے نہ مدرسہ کھولا جا سکتا ہے، نہ مسجد کی امامت کرائی جا سکتی ہے، نہ کسی کو دین کی دعوت دی جا سکتی ہے۔ حتیٰ کہ دنیا کا ہنرمند اُستاد بھی اپنے طالبِ علم کو اس وقت تک نیا ٹھیا بنانے کی اجازت نہیں دیتا، جب تک کہ وہ پوری مہارت حاصل نہیں کرتا۔ کیوں کہ جو درمیان میں چھوڑ کر بھاگ گیا، اور اُستاد کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی سے اپنا ٹھیا بنا لیا تو ضرور خرابی پیدا کرے گا۔

آج کے زوال کا بڑا بنیادی سبب یہ ہے کہ ہماری دعوت کا منہج، رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے منہج سے ہٹ گیا۔ داعی ہونے کی جو خصوصیت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو عطا کی گئی، آج اُن کے دین کی دعوت دینے والے اُمتی میں وہ نہیں ہے۔ وہ نبی کی نیابت اور اُن کے خلفا کی اجازت سے دین کا داعی نہیں ہے۔ وہ خود ساختہ داعی ہے۔ وہ غلط سسٹم کی دعوت دیتا ہے۔ وہ سنتِ راشدہ کی دعوت نہیں دے رہا۔ اس کا اپنا تزکیہ نہیں ہوا۔ وہ خود نفسانی امراض کا شکار ہے۔ نتیجتاً وہ دعوت بھی مرضوں کی دے گا۔ نفسانی خواہشات، فساد پھیلانے اور انسانیت دشمنی کی دعوت دے گا''۔

نبوی منہجِ دعوت کے علی الرغم فاسد اُسلوب

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''غلامی کے اس زمانے میں سب سے بڑا المیہ یہ ہوا کہ دین کے فروغ کے لیے دعوت کے نام سے جتنی بھی پارٹیاں وجود میں لائی گئیں، انھوں نے دعوت الی اللہ کا محمدی اُسلوب چھوڑ دیا اور وہ دعوت جو انگریز سامراج کو یہاں مطلوب تھی اسی کو مرکز بنا لیا۔ انگریزوں نے کہا مدرسہ بنا لو، ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ اَخلاقیات کی دعوت دو، ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ کتابیں پڑھو پڑھاؤ، ہم کچھ نہیں کہیں گے۔ لیکن! آپ ہمارے پولیٹکل معاملات کے اندر مداخلت نہیں کر سکتے۔ اس کے خلاف دین کی دعوت نہیں دے سکتے۔ گورنر یو۔پی سر جیمس، دارالعلوم دیوبند میں کھڑے ہو کر یہ بات کہتا ہے کہ اگر آپ اَخلاقیات، روحانیات اور اپنے مذہب کی تعلیم دیتے ہو تو اس کا پورا خرچ حکومتِ برطانیہ برداشت کرنے کے لیے تیار ہے۔ شرط ایک ہے کہ ''آپ ہمارے پولیٹکل معاملات کے اندر مداخلت نہیں کریں گے''۔

انگریز گورنر یہ بات اُس موقع پر کہتا ہے کہ جب حضرت شیخ الہندؒ مولانا محمود حسن ''جمعیت الانصار'' بنا کر محمد مصطفیٰ ﷺ کے منہجِ دعوت ''**مضموماً إلی القیام بالخلافة العامه**'' (ریاست کے قیام کے ساتھ مشروط) کی اَساس پر نبوی دعوت کو منظم کر رہے ہیں۔ داعیا الی اللہ باذنہ کے نمائندے بن کر تین دعوتی نکات پر دین کے داعی ہیں۔ حضرت شیخ الہندؒ نے جب دیکھا کہ نوابوں کا رُعب داب پڑ گیا ہے تو گورنر کے دورے سے ایک روز قبل ہی دیوبند سے سہارن پور چلے گئے کہ یہ انگریز جس دعوت کا اُسلوب دے رہا ہے، وہ اُسلوب تو مجھے قبول نہیں ہے۔ یہ ادھوری، ناقص اور کچھ نمبروں کی دعوت ہے۔ دین کی دعوت میں خلافت وحکومت اور سیاست کی بحث کو نظر انداز کر دینا' نبوی منہجِ دعوت نہیں ہے۔ دعوت الی اللہ کے نام پر محض میٹھی میٹھی باتیں کر کے اپنی طرف سے کچھ سے کچھ کہانیاں بنا لینا، آپ ﷺ والی دعوت الی اللہ نہیں ہے۔

دعوت الی اللہ یہ ہے کہ غلط سسٹم کے لیے ''نذیر'' ہوں، اچھے سسٹم کے ''بشیر'' ہوں۔ پھر ان دونوں حوالے سے نگرانی کا نظام ہو۔ دعوت کی بنیاد؛ حکمت اور موعظتِ حسنہ ہو۔ برعظیم پاک و ہند میں حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ، حضرت مجدد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندیؒ اور امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حضرت شیخ الہندؒ اور مشائخ رائے پور تک داعین الی اللہ کا یہ سلسلہ ان خصوصیات کا حامل ہے کہ جنھوں نے دعوت الی اللہ کے نبوی منہج ومنصب کو سمجھا، اُسے نبھایا، اس کے مطابق دعوت دی، افراد تیار کیے، اُن کا تزکیہ کیا، اُن کا شعور بلند کر کے سامراجی اور غلط نظام کے خلاف آزادی اور حریت کی تحریک پیدا کی۔ یہ دعوت الی اللہ کا صحیح راستہ ہے۔ اس کے علاوہ جتنے راستے ہیں، وہ سامراج کے پیدا کردہ ہیں۔ مفادات اور خواہشات پر مبنی ہیں۔ ان سے بچنا اور سیدھے راستے کو اختیار کرنا، ایک مسلمان نوجوان کی ذمہ داری ہے''۔

www.rahimia.org

حضرت مولانا پروفیسر نورُالحق علویؒ

حضرت مولانا پروفیسر نورالحق علویؒ کا شمار اُن اکابرین میں ہوتا ہے، جنھوں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کی شاگردی میں ولی اللّٰہی علوم ومعارف حاصل کیے اور پھر انھیں مرتب و مدوّن بھی کیا۔ وہ ''قصبہ بسال'' (ضلع اٹک) میں 1888ء میں منشی محمد قاسم کے ہاں پیدا ہوئے۔ ان کے والدِ گرامی اپنے علاقے کی معزز شخصیات میں سے تھے۔ انھوں نے اپنے تمام بچوں کی تعلیم اور تربیت پر خاص توجہ دی۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مولانا نورالحق علویؒ اور ان کے دونوں چھوٹے بھائی غلام ربانی عزیز اور ڈاکٹر غلام جیلانی برق کا شمار بھی اپنے دور کی علمی شخصیات میں ہوتا ہے۔

مولانا علویؒ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے ہی میں حاصل کی۔ مزید تعلیم کے حصول کے لیے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور 1910ء میں فراغت حاصل کی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سے خوب استفادہ کیا اور ولی اللّٰہی فکر وعمل میں ان کے ساتھ شامل ہوگئے۔ اسی دوران مولانا علویؒ کی ملاقات امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے بھی ہوئی۔ دارالعلوم میں قیام کے دوران حضرت شیخ الہندؒ کے توسط سے جو تعلق مولانا عبیداللہ سندھیؒ سے پیدا ہوگیا تھا، وہ آخر دم تک رہا اور ولی اللّٰہی فکر کی تدوین کی صورت میں جلوہ گر رہا، جو کہ ان کی تصانیف سے ظاہر ہوتا ہے۔

مولانا علویؒ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے آبائی علاقے میں واپس آئے تو وہیں درسِ قرآنِ حکیم کا آغاز کیا۔ اس تدریس کی وجہ سے علاقے بھر میں معروف ہوئے، لیکن پھر کسی وجہ سے واپس دارالعلوم دیوبند میں چلے گئے اور 1914ء تک وہیں درس وتدریس سے وابستہ رہے۔ 1914ء میں جہلم کے قریب ڈریالہ جالب کے مدرسہ عربیہ میں معلم کے طور پر خدمات سرانجام دیں۔ اس پورے عمل کے دوران مزید تعلیم کے حصول کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ تعلیم کے حصول کی یہ طلبِ صادق تھی کہ 1918ء میں یونیورسٹی آف پنجاب لاہور سے ''مولوی فاضل'' اور 1919ء میں ''منشی فاضل'' کے امتحانات پاس کیے۔ مدرسہ رمضانیہ کلکتہ اور دارالعلوم دیوبند میں تدریسی سرگرمیوں میں مصروف رہے۔ 1919ء تا 1923ء سندھ کے مشہور مرکز ''پیر جھنڈو'' میں مولانا عبیداللہ سندھیؒ کے قائم کیے ہوئے ادارے ''دارُالرشاد'' میں بہ طورِ صدر مدرّس خدمات سرانجام دیں۔ یہ وہ وقت تھا جب ہندوستان کی تحریکاتِ آزادی میں جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ ''تحریکِ خلافت'' میں سرگرم کردار ادا کیا۔ آپؒ نے ''ترکِ موالات'' کے حق میں ایک تفصیلی فتویٰ تحریر فرمایا اور سندھ کے اکابر علما سے اس فتوے کی تائید بھی حاصل کی اور اس پر دستخط بھی کروائے۔ یہ فتویٰ پیر تُراب علی شاہ راشدیؒ کے توسط سے لاڑکانہ سے شائع بھی کروایا۔

1925ء اورینٹل کالج لاہور میں ''ایڈیشنل مولوی'' کے طور پر تقرر ہوا تو لاہور ہی میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ یہ ملازمت 1944ء تک جاری رہی۔ مولانا علویؒ عربی گرائمر اور عربی تاریخ ادب کے مستند عالم مانے جاتے تھے۔ علامہ محمد اقبالؒ کے ساتھ مولاناؒ کی اس موضوع پر اکثر نشستیں ہوتی رہتی تھیں۔ (بھائی بھائی، از غلام جیلانی برق)

امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ جب بیرونی ممالک کی سیاحت کے بعد ہندوستان واپس تشریف لائے تو ان کے پیشِ نظر ہندوستان میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی حکمت کو سمجھانا اور ان کی تعلیم دینا سرِفہرست تھا۔ اس مقصد کے لیے مولانا سندھیؒ نے مختلف شہروں میں ''بیت الحکمت'' قائم فرمائے، جس میں طلبا ولی اللّٰہی اَفکار ونظریات سے آگاہی حاصل کرتے اور اس کے مطابق عملی کردار ادا کرتے تھے۔ مولانا علویؒ کا شمار ان افراد اور رہنماؤں میں کیا جاتا ہے جنھوں نے حضرت سندھیؒ کے ساتھ مل کر اس کام میں کردار ادا کیا۔ حضرت سندھیؒ نے جب لاہور میں ''بیت الحکمت'' قائم کیا تو مولانا علویؒ نے اس میں نمایاں کردار ادا کیا، بلکہ اس مرکز کے روحِ رواں سمجھے جاتے ہیں۔ حضرت سندھیؒ نے ماہنامہ ''الفرقان'' کے ''شاہ ولی اللہ نمبر'' کے لیے ایک مقالہ ''امام ولی اللہؒ کی حکمت کا اجمالی تعارُف'' مولانا علویؒ کو ہی املا کرایا اور انھوں نے اس پر حواشی لکھے۔ بعد میں ''شاہ ولی اللہ اور اُن کا فلسفہ'' کے عنوان سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔ اسی طرح امامِ انقلاب مولانا سندھیؒ نے 1941ء میں مقالہ ''شاہ ولی اللہ اور اُن کی سیاسی تحریک'' کے عنوان سے قلم بند کیا تو مولانا علویؒ نے اسے حضرت سندھیؒ سے سبقاً سبقاً پڑھا اور اس دوران حضرت سندھیؒ کی درسی تشریحات کو حواشی میں قلم بند کیا۔ اور تاریخی حوالہ جات سے مزیّن کیا، جو پہلی مرتبہ 1942ء میں لاہور سے کتابی صورت میں شائع ہوا۔

مولانا علویؒ نے لاہور ہی میں قیام کے دوران حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی کتاب ''ہمعات'' کو تحقیق اور حاشیہ کے ساتھ شائع کروایا۔ 1935ء میں امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اپنے شاگرد مولانا عبداللہ لغاری کو اُردو میں ''مقامِ محمود'' کے نام سے ایک تفسیر املا کروائی تھی۔ اس قلمی مخطوطے کو بھی مولانا علویؒ نے از سرِنو اپنے ہاتھوں سے تحریر کیا اور 6 جلدوں میں مکمل کی۔ مولانا موصوفؒ کی ایک اَور کتاب ''تصوف وصوفیہ اور ہندوستان میں ان کی برکات'' کے نام سے ہے۔ اس کتاب میں ہندوستانی صوفیائے کرام کو تاریخی طور پر امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کی جماعت کے نکتۂ نظر سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی بے شمار مضامین، رسائل، مقالہ جات اور کتب ہیں، جو آپؒ کی تحریر کیے ہوئے ہیں۔ 1947ء کے سیلاب میں لاہور میں آپؒ کے مکان میں موجود لائبریری کو کافی نقصان پہنچا۔ بہت سے تاریخی رسائل اور کتب اس کی نذر ہوگئیں، جس کا مولانا علویؒ کو کافی قلق تھا۔ 3 سال تک مسلسل اس غم میں گرفتار رہے اور بیمار ہوگئے۔ کچھ عرصہ زیرِعلاج رہنے کے بعد 10/ مارچ 1951ء کو آپؒ نے اس دارِ فانی کو الوداع کہا۔ مولانا نورالحق علویؒ لاہور کے علاقے شادباغ میں پیر رونقی قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولاناؒ کی لحد مبارک پر نورِحق کی برسات فرمائے۔ (آمین)

www.rahimia.org

تحریر: سلمان فاروق ایڈووکیٹ، راولپنڈی

آئینی ترامیم اور ریاستی جواز

آئین اگر ریاستی عمل کی پیداوار ہے تو ریاست بذاتِ خود سیاسی عمل سے جنم لیتی ہے۔ ایک جانب آئین معاہدے کی شکل میں نظر آتا ہے تو دوسری جانب ریاست کو تفویض کردہ اختیارات اور طاقت کے مراکز کی نشان دہی بھی کرتا ہے۔ یوں آئین بذات خود ایک Organic یعنی نامیاتی حیات اختیار کر لیتا ہے۔ ماڈرن ریاست میں آئین تحریر شدہ شکل میں پائے جاتے ہیں اور ان میں تبدیلی کے لیے لچک کم رکھی جاتی ہے، تاکہ ایک قومی طور پر اجماعی دستاویز کو قومی اجماع کے ذریعے سے ہی بدلا جاسکتا ہے۔ قومی ریاست جس کی تشکیل سن 1648ء میں ہوتی ہے، یہ ایک پولیٹیکل کمیونٹی کی شکل میں ہے، جس میں انسانوں کی تقسیم' قومیت کی بنیاد پر کی گئی۔ تب سے اب تک ریاست کے تصور میں تبدیلیاں رونما ہوتی آئی ہیں، جیسا کہ یورپین یونین کے قیام سے قومی ریاست کی جگہ ایک بڑی پولیٹیکل کمیونٹی (Political Community) نے لے لی۔ چوں کہ پولیٹیکل کمیونٹی ایک انسانی اختراع ہے، جس کو اپنے قیام اور بقا کے جواز کو آئین سے ثابت کرنے کی ضرورت رہتی ہے، ایسے میں پولیٹیکل کمیونٹی میں موجود تضادات اُبھرتے رہتے ہیں، جیسے کہ علاقائی، مذہبی، نسلی، لسانی وغیرہ، جو ریاستی جواز کے لیے خطرے کا باعث ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ آئین ان تضادات کا حل پیش کرتا رہے اور طاقت کے توازن کے پیمانے کو درست رکھے۔ ماڈرن ریاست اور قومیت کی تشکیل اس قیاس پر ہے کہ قوم کے افراد میں مشترک اقدار ہیں، جس کا مطلب یہ ہوا کہ باقی قوموں سے یہ اقدار مختلف ہیں، اس لیے ریاست کی سیاست اس اشتراک اور اختلاف کے گرد گھومتی ہے۔ چوں کہ ریاست کو آئین کے تحت قوانین بنانے کی ضرورت رہتی ہے، اس لیے سیاست کی طاقت کی جگہ آئین کی طاقت یا عدالتی نظام لے لیتا ہے۔ آئین کی تشریح سے لے کر قوانین کے نفاذ کے اختیارات عدالتوں کے بالواسطہ دائرۂ اختیار میں چلے جاتے ہیں اور یوں ریاست اور آئین اور آئینی اداروں کے مابین تعلقات تبدیلی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایسے میں ریاست کی اصل طاقت کی حامل مقتدرہ کو اپنا جواز (Legitimacy) برقرار رکھنے کے لیے راستہ نکالنا پڑتا ہے۔ کبھی یہ راستہ آئین کے ذریعے ہی نکال لیا جاتا ہے، جبکہ ناگزیر حالات میں آئین میں ترمیم کے ذریعے اس جواز کو تراشا جاتا ہے۔ اس جواز کی حقیقت یہ ہے کہ یہ قانونی شکل میں کہیں لکھا دیکھا نہیں جاسکتا، اس لیے اس کو ایک اجتماعی احساس کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کے تابع عوام ریاستی اداروں کا احترام کرتے ہیں۔

پاکستان میں عدلیہ کی آزادی کی تحریک سے لے کر آج 2024ء تک ریاست کو سرگرم اور سبک سر عدلیہ کی ضرورت رہی، جو موقع پڑنے پر مقتدرہ کو قانونی اور آئینی جواز فراہم کرتی رہی۔ عدلیہ میں تعیناتیوں سے لے کر برطرفیوں تک کے اختیارات عدلیہ ہی کو تفویض کر دیے گئے ہیں، جس کے باعث پرائیویٹ لاء فرمز کی اجارہ داری قائم ہونے لگی اور چند ہی سالوں میں عدلیہ میں چند ایک پرائیویٹ لاء فرمز سے آنے والے وکلا کی تعداد میں بہت اضافہ ہو گیا، جس کے باعث ریاستی اختیارات کے استعمال کے راستے میں رکاوٹیں پیدا ہونا شروع ہو گئیں۔ موجودہ آئینی ترامیم اسی ریاستی جواز کے حصول کی انتہائی کوشش کا مظہر ہیں، جو انھیں اپنے ہاتھ سے نکلتا محسوس ہو رہا تھا۔

شاید مقتدرہ نے وقتی طور پر جواز گھڑ لیا ہے، لیکن ریاستی اداروں میں طاقت کے استعمال کے راستے میں ابہامات پیدا ہو گئے ہیں۔ ان میں سے بہت بڑا اور اہم سوال یہ ہے کہ 1973ء کے آئین کے تقدس کے گن گانے والے کیا اب بھی اسے 1973ء کا آئین ہی سمجھتے ہیں؟ اور یا ان ترامیم کو محض ترمیم کا ہی درجہ حاصل ہے؟ جب کہ Separation of Power یا Trichotomy of Power یعنی: طاقت کی تقسیم کا اصول جو 1973ء کے آئین کی بنیاد تھی، اس کو بدل دیا گیا ہے۔ اور یہ کہ ان تبدیلیوں کے بعد آئین اپنی اصل شکل یا Basic Structure پر قائم نہیں رہا۔ ایسی صورت میں ریاست کو ملنے والا جواز کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اور کیا آئین اور عدالتی اداروں میں اَخلاقی سکت اور طاقت رہ گئی ہے کہ وہ ریاست کو جواز فراہم کر سکیں؟!

بقیہ: شذرات جب بھی نظام کسی بند گلی میں پھنستا ہے، وہاں مولانا کو ٹاسک دیا جاتا ہے۔ اب بہ ظاہر وہ فرما رہے ہیں کہ انھوں نے کالے سانپ کے دانت نکال دیے ہیں، لیکن وہ کتنی خوب صورتی سے اسٹیبلشمنٹ کے مفادات کا تحفظ کر گئے۔ یہ وہ صلاحیت ہے جو سٹیٹس کو کی قوتوں سے مل کر کام کرنے کی صلاحیت ہے، جسے آپ سیاست کی سلطانی کہیں یا کچھ اَور، ہمیں اس پر زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مولانا کے ساتھ ہونے والے معاہدے کی تفصیلات اب تک غیر واضح ہیں، لیکن ان کا ترمیم کی سہولت کاری کے لیے کندھا پیش کرنا' بغیر کسی سودے بازی کے نہیں ہو سکتا۔

بس اس نظام کی روح یہ ہے کہ استحصالی نظام کے سارے ادارے عوامی استحصال میں ایک پیج پر رہیں۔ جیسے ہی کوئی ادارہ، نظام میں موجود قوتوں کے درمیان تضادات کی وجہ سے اپنی الگ لائن لینے کی کوشش کرے، اسے ترمیم کے ذریعے مسل دیا جائے۔ اسی سے یہ حقیقت سمجھنا آسان ہو جاتی ہے کہ اس نظام کے اندر رہ کر اس نظام کی اصلاح کا نظریہ بودہ ہے۔ اس ترمیم کے پیچھے اقتدار پر قابض طبقوں کا ایک ہی خوف تھا کہ جس الیکشن کو سپریم کورٹ غیر منصفانہ قرار دے چکی ہے اور مخصوص نشستوں کا فیصلہ بھی دے چکی ہے، وہ نئے چیف جسٹس کے آنے کے بعد اس پارلیمنٹ میں حکومتی بنچوں پر بیٹھے ارکان کے فارم 45 چیک نہ کر لیں، جس سے ان کی کامیابی کا بھانڈہ بیچ چوراہے پھوٹ سکتا ہے۔ اور فارم 47 کی حکومت' سپریم کورٹ کے ایک فیصلے سے ڈھیر ہو جائے گی۔ ایسے ہی چند اَور تحفظات کو لے کر پارلیمنٹ کی سپرمیسی کے نام پر 26ویں ترمیم کا ڈول ڈالا گیا۔ جس نظام میں لوگوں کی رائے بندوق کی نالی تان کر لی جائے، جہاں لوگوں کے گھر گرا کر، اُن کے کاروبار تباہ کر کے، بچوں اور خواتین کو اغوا کر کے، تشدد اور ٹارچر کے ذریعے رائے لی جائے، اس سے زیادہ آزادئ اظہارِ رائے اور جمہوریت کا مذاق کیا ہو سکتا ہے؟! ویسے ہم ایسے موقعوں پر اکثر کہہ دیتے ہیں کہ نظام بے نقاب ہو گیا، حال آں کہ نظام تو گزشتہ پون صدی سے بے نقاب ہی نہیں بلکہ ننگا ناچ رہا ہے۔ بس اس ملک کے باسیوں کو ہی خبر دیر سے ہوتی ہے اور اب وقت ہے کہ نوجوان نسل اس نظام سے گلوخلاصی کے کسی متبادل نظام کو اپنائیں۔ (مدیر)

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

شاعرہ: اُمِ مؤمنہ، کراچی

نعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ساکن ہیں یہ لب ، کیسے ہو لفظوں کی ادائی
ہو مجھ سے بیاں ، کیسے تیری مدح سرائی

آنسو ہیں کہ اک سَیلِ رواں ، جاری ہیں اس وقت
صد شکر کروں جو ہو ، عطا طاقت گویائی

ہیں دیدہ و دل ، محوِ تمنائے زیارت
کیا حال کہوں ، ہو جو وہاں تک بھی رسائی

اس ارض و سماوات کے ، انعام سے افضل
مل جائے اگر مجھ کو ، تیرے در کی گدائی

بھٹکا ہے گناہوں میں ، میرا نفسِ امّارہ
اے کاش کہ مل جائے ، تیرے صدقے رہائی

وہ ذاتِ پُر انوار ہے ، رحمت کا خزینہ
ممکن ہے تیرے خلق سے ہو ، یہ چمن آرائی

اندازِ بیاں کیا ہو؟ کیسے ہو؟ کہاں ہو؟
ایسا ہو کہ ہو جائے ، میرے دل کی صفائی

اِک تیرے بھروسے سے ہی ، گزران ہے اب تک
اس مرض کو مل جائے ، تیرے در کی دوائی

محبوبِ خدا ، رحمتِ عالَم کے وسیلے
ظلمت کے اندھیروں میں ، شمع ہم نے جلائی

تابندہ و تازہ ملے ، افکار سبھی کو
اس اُسوۂ حسنہ نے ، یہی راہ دکھائی

بقیہ: سقوطِ بغداد: فتح الدین نے ان کے اصرار پر مجبوراً جوں ہی تعاقب کیا تو منگولوں نے لوٹ کر مقابلہ کیا اور ان کے کچھ فوجی جو پیچھے کمین گاہوں میں چھپ گئے تھے، انھوں نے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ خلیفہ کی فوج اس صورتِ حال کو کنٹرول نہ کر سکی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ سپہ سالار فتح الدین جنگ میں مارا گیا اور دیگر افواج نے بھاگ کر بغداد میں پناہ لی اور اس طرح فوجیوں کی بے تدبیری سے جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل گئی۔ (باقی آئندہ)

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

از حضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال فیکٹری مالک نے اپنی فیکٹری میں نماز کی ادائیگی کے لیے ایک کمرہ مختص کیا تھا، تاکہ فیکٹری ورکرز اور باہر سے آنے جانے والے لوگ اپنی نمازیں ادا کر سکیں۔ ورکرز کی تعداد زیادہ ہونے پر کبھی کبھی باجماعت نماز کی ادائیگی بھی ہو جاتی تھی، مگر یہ کمرہ مسجد کے لیے وقف نہ تھا۔ محض نماز کی ادائیگی کے لیے تھا۔ اب فیکٹر کو از سرِ نو تعمیر کرنا مقصود ہے۔ مذکورہ کمرۂ نماز گرا کر اس زمین کو فیکٹری کے استعمال میں لا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب کسی جگہ کے مسجد ہونے کے لیے درجِ ذیل باتیں ضروری ہیں: (1) مسجد کے لیے جگہ وقف کرنے والے نے — جو صحیح طور پر زمین کا مالک تھا اور وقف کرنے کا شرعی اختیار رکھتا تھا — اس جگہ کو مسجد بنانے کے لیے وقف کیا ہو۔ خواہ وہ زمین عمارت سے خالی ہو یا اس پر عمارت بھی ہو۔ (2) وقف کر کے اس کو اپنی ملکیت سے اس طرح علاحدہ کر دیا ہو کہ کسی دوسرے شخص کا یا خود کا کوئی حق متعلق نہ ہو۔ (3) وقف کر کے اس کو متولّی کے سپرد کر دیا ہو، یا وقف کرنے والے کی اجازت سے اس میں ایک بار بھی نماز باجماعت ہو گئی ہو۔ جب کہ اس مخصوص کمرۂ نماز کو چوں کہ مسجد بنانے کے لیے وقف نہیں کیا گیا اور نہ ہی اپنے تصرف سے علاحدہ کیا گیا، گو کبھی کبھار یا مستقل نماز باجماعت بھی ہوتی ہو، مسجد کا حکم نہیں لگے گا۔

سوال نکاح کے وقت اکثر حق مہر کے علاوہ لڑکی والے کچھ پیسے یا جائیداد لکھواتے ہیں، جو کہ لڑکی کو — اللہ معاف کرے — طلاق کی صورت میں لڑکا ادا کرتا ہے۔ ایسا کرنا کیا اسلام کی رو سے جائز اور مستحب عمل ہے؟ اس حوالے سے اگر کوئی اَور تفصیل جو آپ فرمانا چاہیں، رہنمائی فرما دیں۔ سائل: مبشر اکرام، چائنہ

جواب صورتِ مسئولہ میں اس قسم کی شرائط لگانا کہ طلاق کی صورت میں شوہر اپنی بیوی کو مقررہ رقم یا جائیداد دے گا وغیرہ شرطِ فاسد ہے، اور ایک قسم کا جرمانہ ہے جو شرعاً جائز نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اس کی حیثیت یک طرفہ ایک اَخلاقی وعدے کی ہو سکتی ہے، تاہم اگر ان شرائط کے ساتھ مرد نے نکاح کر لیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا اور ایسی شرائط، فاسد ہونے کی وجہ سے کالعدم قرار پائیں گی، جن کا پورا کرنا شوہر پر لازم نہ ہوگا۔

سوال ایک عورت پانچ مرلہ پلاٹ کی مالک تھی۔ اس پلاٹ پر اس کے خاوند نے اپنی ذاتی رقم خرچ کر کے مکان تعمیر کیا۔ اب عورت فوت ہو چکی ہے۔ اس کی جائیداد اس کے خاوند اور اس کے چار بچے اور بچیوں میں تقسیم ہو چکی ہے۔ اب ورثا میں ایک بیٹا اپنے والد سے مطالبہ کرتا ہے کہ مکان کی تعمیر میں سے بھی مجھے حصہ دیا جائے۔ کیا بیٹا اپنے والد سے مکان کی تعمیر میں اپنے حصے کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ قاری بشیر احمد، چشتیاں

جواب بیوی کے پلاٹ پر خاوند نے اپنی ذاتی رقم سے جو بھی تعمیراتی اخراجات کیے ہیں، وہ اس کی ذاتی ملکیت کو ثابت کرتا ہے، لہٰذا اولاد کا اپنے والد سے تعمیرات میں حصہ طلب کرنا اور تکلیف پہنچانا ناحق اور خلافِ شرع ہے، مگر یہ کہ والد خود اپنی حقیقی رضامندی سے ہبہ کر دے۔ اولاد صرف اپنی والدہ مرحومہ کے ترکہ کی حق دار ہوگی۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع و ناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ "رحیمیہ" رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔